# اسلامی اقتصادیات کے حوالے سے
# بیمہ (انشورنس) کی شرعی حیثیت

از ڈاکٹر رخسار احمد (کراچی)

تکافل عربی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی باہمی ذمہ داری یا امدادی باہمی کے ہیں۔ دور جدید میں بعض مقامات پر تکافل اسلامی انشورنس کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ انشورنس یا ایشورنس (یقین دہانی) متعدد معنی کا حامل لفظ ہے۔ ہم بحیثیت مسلمان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی شخص یا ادارہ کسی کی صحت، جان، اور مال کی حفاظت کی ضمانت، دہانی نہیں کرسکتا لیکن باہمی تعاون کے ذریعے ایک دوسرے کی مدد کرنا اسلام میں جائز ہے۔ البتہ مسلمان ہونے کے ناطے ہم لفظ تکافل یعنی باہمی ذمہ داری استعمال کر سکتے ہیں۔

## معاشرتی اہمیت:

اسلامی نظام میں کفالت عامہ اسلامی معاشرے کی اولین معاشی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کے پہلو بہ پہلو اسلامی معاشرے کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ معاشی ترقی کا اہتمام کرے اور سماج میں دولت کی تقسیم کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرے۔ کفالت عامہ کا منشاء مذکورہ بالا حالات میں حاجت روائی سے پورا ہوسکتا ہے مگر ان

دوسرے تقاضوں کی تکمیل کے لئے معاشی کارگردگی کی بحالی، اس میں اضافہ اور سماج میں مواقع کی یکسانی برقرار رکھنے۔ زندگی میں پیش آنے والے خطرات کے مالی صدمات سے تحفظ اور فی الجملہ ایک ایسی فضاء قائم کرنے کا اہتمام بھی کرنا ہوگا جو معاشی ترقی کے لئے سازگار ہو۔

## معاشی ضرورت:

اچانک موت، معذوری، بیماری، آتش زدگی، سیلاب، ڈکیتی، زلزلہ اور نقل وحرکت سے متعلق حادثات اور ان کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصانات کسی اختیاری عمل پر مبنی نہیں ہیں۔ ان کے نتیجے میں اکثر اوقات متاثر ہونے والا فرد اور اس کا پورا خاندان حقیقی محتاجی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یا پھر افراد کی معاشی کارگردگی متاثر ہوتی ہے جس کا انحصار مال اور املاک پر ہے۔ یہ حقیقت اس کا شدید تقاضہ کرتی ہے کہ زندگی کے ایک بڑے دائرے میں تکافل کو معاشی ضرورت کا درجہ دیا جائے۔

## تصور تکافل

بحیثیت مسلمان ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اس دنیا میں اور ہماری زندگیوں میں جو کچھ رونما ہوتا ہے۔ وہ سب اللہ کی طرف اور اس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ جبکہ حوادث اور نقصانات سے بچنے کے لئے جائز اقدامات کرنے کا بھی حکم ہے۔

حدیث: آنحضرت ﷺ نے بدو کے کھلے ہوئے اونٹ کے بارے میں پوچھا کہ تم نے اپنا اونٹ کیوں نہیں باندھا۔ بدو نے جواب دیا۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پہلے اپنا اونٹ باندھو پھر اللہ پر بھروسہ کرو"۔

**﴿ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلايسرف فی القتل**

**انه کان منصورا﴾** بنی اسرائیل آیت ۳۳

ترجمہ: اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے پس چاہیئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائیگی۔

**﴿والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجهم متاعاالی الحول غیراخراج فان خرجن فلاجناح علیکم فیمافعلن فی انفسهن من معروف والله عزیزحکیم﴾** البقرہ آیت ۲۴۰ ۔

ترجمہ: اور جولوگ تم میں سے مرجائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔

## موجودہ انشورنس (روایتی بیمہ) مسلم اسکالرز کی نظر میں:

مسلم اسکالرز اور علماء کرام کی انشورنس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ انکو ہم تین بڑے گروپ میں شامل کر سکتے ہیں:

۱۔ اس گروپ میں شامل اسکالرز کی رائے ہے کہ انشورنس جائز نہیں۔ چونکہ باہمی ذمہ داری کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لہذا اگر تکافل کو شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنایا جائے تو یہ طریقہ بالکل جائز ہے۔

۲۔ دوسرے گروپ میں موجود میں جنرل انشورنس جائز ہے جبکہ بیمہ زندگی جائز نہیں۔

۳۔ اس میں شامل اسکالرز مکمل طور پر انشورنس کے نظریہ کی مخالفت کرتے ہیں کہ یہ اسلامی تعلیمات اور احکامات کے خلاف ہے۔

## انشورنس پر اعتراضات:

قرآن وحدیث جن معاملات کو حرام قرار دیتے ہیں ان میں:

### ا۔ربا(سود)Interest

آیت ﴿واحل الله البيع وحرم الربا﴾

ترجمہ: اللہ تعالی نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام کیا ہے۔

### ۲۔قمار (جوا)Gambling

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: ﴿يايها الذين امنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ سورۃ المائدہ آیت ۹۰۔

ترجمہ: اے ایمان والوں ! شراب اور جوا اور بت اور پاسے ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔

### ۳۔غرر(بے یقینی)Uncertainity

رسول اقدس ﷺ نے لین دین میں بے یقینی (غرر) کو ناپسند فرمایا۔

## تکافل کا خاکہ:

تکافل کا روبار روائتی بیمہ سے مختلف ہونا چاہیئے۔ معاہدہ تکافل اصول شریعت کے

عین مطابق اخلاص پر مبنی، آخلاقی، غیر سودی، امداد باہمی شراکت اور مضاربہ کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے جس میں کسی فریق کو فائدہ حاصل کرنے کا مقصد نہ ہو بلکہ باہمی تعاون، بھائی چارگی کے ذریعہ کسی غیر متوقع نقصان اور دھچکے سے بچانا مقصود ہو۔

تکافل صرف اسلامی احکامات کے مطابق کئے گئے بنیادی خصوصیات کی حامل ہونا چاہیئے۔

## ا۔اخلاص ہونا ضروری ہے:

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''بے شک اللہ ظاہری چیزوں کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے'' معاہدہ تکافل کے تحت تکافل کنندہ (کمپنی) مذکورہ کے نقصان کی صورت میں باہمی رضامندی کے تحت نقصان کی تلافی کرنے کا پابند ہے جبکہ تکافل دار (پالیسی ہولڈر) معاہدہ کی تنسیخ کے لئے مجبور نہ کیا جاسکے گا۔لیکن تکافل دار کے لئے ضروری ہے کہ ادائیگی تبرو (پریمئیم) جاری رکھے اگر وہ اس کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔

## ۲۔اصول شریعت کے عین مطابق ہونا چاہیئے:

تکافل کا کاروبار شریعت کے عین مطابق ہونا چاہیئے جس میں کوئی عنصر شریعت کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے، اس سے انحراف کی صورت میں وہ اسلامی طریقہ نہیں کہلائے گا۔ارشاد باری تعالی ہے ﴿**ومن يتبع غير الاسلام دينا فلن يقبل منه**﴾ترجمہ:اگر گوئی شخص اسلام کے نظام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام چاہتا ہے اللہ کو قبول نہیں''۔

تکافل تقدیر کے خلاف نہیں کیونکہ کوئی شخص یا کوئی ادارہ (کمپنی) کسی کی جان، مال، صحت یا زندگی کی حفاظت کی ضمانت نہیں دیتی بلکہ ان حالات میں ہونے والے نقصانات

کا ازالہ کرتی ہے۔ اور اس رقم کی ایک حد مقرر ہوتی ہے جس کا چندہ حسابات وشماریات کے ذریعے لگایا جاتا ہے۔ اور اس کے حاصل کو ان متاثرین میں تقسیم کیا جاتا ہے جو اس حادثہ کا شکار ہوئے ہیں۔

## ۳۔ اخلاقی ہونا چاہیئے:

معاہدہ تکافل (تکافل کنٹریکٹ) اسلامی احکامات کے مطابق اخلاقی ذمہ داریوں کو ادا کرتا ہو۔ جس میں ایمانداری، سچا بھروسہ اور حقائق کو ظاہر کرنا شامل ہونا چاہیئے، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے ﴿**ویـاقوم اوفوا المكيال و الميزان بالقسط ولاتبخسوا الناس اشياء هم ولاتعثوا فى الارض مفسدين**﴾ سورۃ ھود آیت ۸۵۔

ترجمہ: اے برادران قوم، ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو، اور زمین پر فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

## ۴۔ غیر سودی ہونا چاہیئے:

تکافل سود سے مبرا ہونا چاہیے، اگر منافع میں حصہ داری مقصود ہو تو اصول مضاربہ کے مطابق دونوں فریق (تکافل کنندہ۔ کمپنی اور تکافل دار۔ پالیسی ہولڈر) منافع میں شریک ہوسکیں۔ یعنی تکافل دار جو رقم تبرو (پریمئم) کی صورت میں کمپنی کو ادا کرتا ہے اس رقم کو مضاربہ اور شراکت داری کی بنیاد پر کیئے گئے کاروبار میں لگایا جائے اور جو منافع ہوتا ہے وہ تکافل دار (پالیسی ہولڈر) اور تکافل کنندہ (تکافل کمپنی) میں تقسیم ہونا چاہیے۔

## ۵۔ جوئے کے عنصر سے پاک ہونا چاہیے:

جوئے کا مالی محرک اس کا مالی فائدہ کا حصول ہے جو بازی جیت جانے کی صورت

میں ہوگا جس کے ذریعے دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بازی لگانے والا شخص ایک رقم ہار جانے کا خطرہ مول لیتا ہے۔ وہ خطرہ جو پہلے سے موجود نہ تھا اور اگر تھا تو خود اس کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا وہ چاہتا ہے تو خطرہ مول نہ لیتا، تکافل کا معاملہ اس سے بینادی طور پر مختلف ہے، تکافل معاہدہ کرانے کا مالی محرک اس نقصان کی تلافی کرنا ہے جو کسی حادثہ موت یا بیماری کی صورت میں ہوگا، اس رقم کے ملنے سے حادثہ کا شکار ہونے والے کی دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کمی کی تلافی ہے، جو حادثہ موت یا بیماری کی صورت میں واقع ہوتی ہے۔

دوسری بات تکافل دار جس خطرے کے پیش نظر معاہدہ تکافل کرتا ہے اس کا وجود ہوتا ہے اور اس فرد سے اس کا تعلق معاہدہ تکافل کرنے یا نہ کرنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر حال میں پایا جاتا ہے اور یہ خطرہ خدانخواستہ حادثہ، بیماری، معذوری یا موت کا ہو جو جان بوجھ کر نہیں مول لیا جاتا ہے، ان تمام صورتوں میں خطرے کا اور اس سے مالی نقصان کا احتمال بہر حال موجود ہوتا ہے چاہئے معاہدہ تکافل کرایا جائے یا نہ کرایا جائے۔

## ٦۔ امداد باہمی کا عنصر شامل ہونا ضروری ہے:

معاہدہ تکافل میں امداد باہمی کا عنصر شامل ہونا چاہئے۔ ارشاد باری تعالی ہے ﴿**تعاونوا علی البروالتقوی**﴾ حق باتوں پر ایک دوسرے کا ساتھ دو۔

تکافل زندگی پالیسی (تکافل لائف پالیسی) میں اگر تکافل دار مدت سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو اس کے مستحقین تمام تبرو (پریمئم) جو ادا کئے گئے ہیں اور اس کے ذریعے حاصل شدہ آمدنی کا مطالبہ کرسکتے ہیں جو مضاربہ کے اصول کے مطابق حاصل کیا گیا ہو۔ لیکن اگر تکافل دار حیات ہو اور مدت ختم ہو جائے تو تکافل دار خود وہ تمام رقم جو اس نے ادا کی ہے اور اس کا منافع سمیت حاصل کرنے کا مستحق ہے۔

عام تکافل پالیسی (جنرل تکافل پالیسی) میں دونوں فریقین کو آمدنی ہونی چاہیے جبکہ پریمئم کی ادائیگی رقم ایک چندہ ہے جو کہ تبروہ (کنٹر یبوشن) کے اصولوں پر مبنی ہونی چاہیے تکافل دار اپنی ادا کی ہوئی رقم کی واپسی کے لئے کسی قسم کا قانونی مطالبہ نہیں کر سکتا اگر کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا۔لیکن اگر کوئی حادثہ کی وجہ سے نقصان ہوا ہے تو تکافل کنندہ (تکافل کمپنی) معاہدہ (contarct on unilateral basis) کے تحت طے شدہ رقم ادا کرے۔

## ۷۔میراث اور وصیت:

تکافل پالیسی میں نامزدگی کسی خاص رشتہ کو نہیں بلکہ تمام وارثوں کو احکام وراثت کے مطابق تقسیم ہو یا کسی ایک ادارے کو نامزد کیا جائے جو وراثت اور وصیت کے مطابق تقسیم کرے۔جو شخص نقصان کی رقم کا مطالبہ کرتا ہے اس کا مذکورہ شے سے نفع ونقصان کا رشتہ ہے یعنی (تکافلی مفاد) ہونا چاہیئے ،سورہ الانفال میں ارشاد باری تعالی ہے﴿**واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض فى كتاب الله**﴾آیت ۷۵:

ترجمہ:اور رشتہ دار خدا کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

## ۸۔معاہدہ تکافل اور درمیانی نمائندہ:

معاہدہ کی قانونی حیثیت ہونی چاہیئے ۔درمیانی نمائندہ (ایجنٹ) کو تنخواہ پر ہونا چاہیے اور پریمیئم کی رقم میں سے اس کو کوئی ادائیگی نہ کی جائے۔

## خلاصہ البحث:

تکافل بنیادی جز باہمی تعاون (امداد باہمی) کے اصولوں کو اپناتے ہوئے شریعت کے عین مطابق التکافل اداروں (تکافل آپریٹرز) کا قیام عصر حاضر میں اسلامی معاشرے کی شدید ضرورتوں کی اولین فہرست میں سے ہے۔جس کے تحت کسی ایک رکن کو نقصان کی صورت میں باہمی تحفظ حاصل ہو۔

# معاشرتی بدامنی کے معاشی اسباب کا تحقیقی مطالعہ

## حصہ اول

از ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ
بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

معاشی مسئلہ انسانی زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، یہ مسئلہ پہلے انسان کے لیے اتنا اہم نہیں تھا جتنا آج کے انسان ک لیے ہوگیا ہے۔ اس مسئلے کی وجہ سے معاشرے میں عجیب سی کشمکش پائی جانے لگی ہے کیوں کہ زندگی کا بنیادی فلسفہ و اخلاق اور تمدن و معاشرت کا سارا نظام تقریباً معیشت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ معاشی کارگزاریاں، معاشی ترقی، معاشی توسیع وغیرہ جدید معاشروں کی بنیادی دلچسپیوں کا مرکز ہیں۔ اس لئے معاشی مسائل کو ماہرین کل مسئلہ زندگی قرار دے رہے ہیں۔ جس کی بنا پر آج کا معاشرہ معاشی بدامنی کی عکاسی کر رہا ہے۔

"باقر الصدر" کہتے ہیں کہ:

"اقتصادی کشمکش انسان کے ذہن کو کس درجہ انحطاط تک پہنچا دیتی ہے اور اس کے افکار و نظریات میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔۔۔۔ معاشی اعتبار سے خوشحال انسان کی زبان و فکر اور

ہوتی ہے اور معاشی بدحالی کے شکار انسان کی زبان وفکر اور۔''(۱)

نظام معیشت میں بدامنی کی صورتحال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب خود غرضی حد اعتدال سے بڑھ جاتی ہے اور پھر دوسرے رذائل اخلاق سے یہ مزید پیچیدہ صورتحال اختیار کرلیتی ہے۔ یہاں تک کہ پورے معاشی نظام کو خراب کر کے زندگی کے باقی شعبوں میں بھی اپنا زہریلا اثر پھیلا دیتی ہے۔

ہر شخص کی ایک انتہائی عمر ہوتی ہے اور انسان کے نشو ونما کا زمانہ تقریباً چالیس سال تک رہتا ہے اس کے بعد کچھ دنوں تک یہ نشو ونما رک جاتی ہے اور پھر انحطاط کا زمانہ شروع ہوجاتا ہے۔تمدن کا بھی یہی حال ہے۔ جب لوگوں کو دولت وثروت کی فراوانی حاصل ہوجاتی ہے تو وہ فطرتاً ان کو تمدنی ساز وسامان کی طرف مائل کر دیتی ہے۔اس لئے ان کے کھانے پینے ۔رہنے سہنے، اور اوڑھنے کی تمام چیزوں میں رنگینی پیدا ہوجاتی ہے اور خود غرضی، تنگ نظری، بد اندیشی، بخل، حرص، بددیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور ان کا مقصد حیات صرف یہ بن جاتا ہے کہ اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت انھیں ملتے ہیں ان کے صحیح ومعقول مصرف صرف دو ہیں ایک یہ کہ ان کو اپنی آسائش، آرائش، لطف اور تفریح میں صرف کردو، اور دوسرے یہ کہ ان کو مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کے لیے استعمال کرو، اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرہ طبقات میں تقسیم ہوجاتا ہے اور شدید معاشی مشکلات کا شکار ہوجاتا ہے اور معاشی مشکلات انسان کے دل ودماغ کو معطل کر کے رکھ دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں باہمی چپقلش کے واقعات عام ہوجاتے ہیں جو کہ خطرناک بحران کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

جو معاشی اسباب معاشرتی بدامنی کا سبب بنتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

## ا۔ تقسیم دولت میں عدم مساوات:

معاشرتی بدامنی کا ایک اہم سبب تقسیم دولت میں عدم مساوات ہے، اس سے نہ صرف معاشرتی برائیاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ ملک میں سرمایہ کاری کی رفتار بھی سست پڑ جاتی ہے۔ امراء اپنی دولت عیش وعشرت میں اڑا دیتے ہیں اور ایک بڑے طبقے کی آمدنی کم ہونی وجہ سے سرمایہ کاری کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ ایک طرف چند زمیندار، صنعت کار اور تاجر ہیں جن کے پاس ملکی دولت کا 70% ہے اور دوسری طرف معمولی کسان، مزارع، کلرک، دکاندار، دستکار اور مزدور ہیں جو بمشکل زندگی کے دن پورے کرتے ہیں۔

غیر مساوی تقسیم دولت کی کئی وجوہات ہیں۔ مختلف افراد کی قدرتی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کے باعث ان کی آمدنیوں میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ ذرائع آمدنی کی تقسیم نہایت غیر مساوی ہے۔ جن افراد کے ذرائع زیادہ ہیں، ان کی دولت دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں اور ان ذرائع سے محروم یا کم ذرائع والے طبقے کو یہ مواقع میسر نہیں۔ ان افراد نے تجارت وصنعت پر بھی اپنی اجارہ داریاں قائم کی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باقی لوگوں کے آگے بڑھنے کے مواقع کم ہیں۔ ایک وجہ سماجی اداروں کا ناموافق ہونا ہے کہ دولت کے حصول کے لئے ہر قسم کے جائز وناجائز طریقوں کو بروئے کار لاتے ہیں اور دیگر سماجی برائیاں بھی ان وجوہات میں شامل ہیں۔

''اس فرق کی وجہ کچھ تو قوم کے ان دونوں طبقوں کے رہنے سہنے کے طریقوں اور تعلیم کا اختلاف ہے اور کچھ ان کے شغل اور اس کے مناسب حال ذرائع کا اختلاف'' (۲)

سید اسعد گیلانی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''گزشتہ ایام میں ہماری قوم گھسٹ گھسٹ کر اسلامی بھائی چارے کے مقام اخوت سے گر کر طبقاتی نفرت کے قریب آ پہنچی ہے۔ اس درمیانے طبقے کی

چند قابل قدر کارگزاریاں اور خوبیاں بلاشبہ موجود ہیں لیکن اوپر کا طبقہ جو بگاڑ کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے اور جس کے پاس ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کا فارمولا ہی زندگی کا مشن ہے، وہ بدترین بگاڑ کا شکار ہے ۔نچلہ طبقہ جو بعض صورتوں میں درمیانہ طبقہ سے زیادہ مالی کشادگی رکھتا ہے، ایک طرف حرص ولالچ کی رو میں دوسری طرف احساس محرومی کی شدت میں اور تیسری طرف بدترین سامراجی افسر شاہی کی نفرت میں اور چوتھی طرف اسلامی تعلیمات سے بے خبری کے نتیجے میں سخت انتقامی اور جذباتی رد عمل کا شکار ہو گیا ہے''(۳)

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''جس چیز ان خرابیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنایا وہ یہ تھی کہ جو لوگ فطری اسباب سے بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خودغرضی، تنگ نظری، بد اندیشی، حرص، بددیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے، شیطان نے انھیں یہ سمجھایا کہ تمھاری اصل ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت تمھیں ملتے ہیں اور جن پر تمھیں مالکانہ حقوق حاصل ہیں، ان کے صحیح اور معقول مصرف صرف دو ہیں ۔ایک یہ کہ ان کو اپنی آسائش، لطف، تفریح اور خوش باشی میں صرف کردو، دوسرے یہ کہ ان کو مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کرو اور بن پڑے تو انہی کے ذریعے سے انسانوں کے خدا اوران داتا بھی بن جاؤ۔اس شیطانی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں نے جماعت کے ان افراد کا حق ماننے سے انکار کر دیا جو دولت کی تقسیم میں حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں یا اپنی اصلی ضروریات سے کم حصہ پاتے ہیں انہوں نے

یہ بالکل جائز سمجھا کہ ان لوگوں کو فاقہ کشی اور خستہ حالی میں چھوڑ دیا جائے''

(۴)۔

تقسیم دولت میں عدم مساوات کی وجہ سے اور پھر اس طرح کے رویوں سے کئی افراد جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔ رذائل اخلاق میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر بیمار ذہن اور بیمار جسم کی وجہ سے ان کی ذہنی اور جسمانی قوتیں اس قابل نہیں رہتیں کہ وہ معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

تہذیب وتمدن کے ارتقاء میں اسی وجہ سے وہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور بحیثیت مجموعی سارا معاشرہ ہی اس سے نقصان اٹھاتا ہے جس میں دولت مند بھی شامل ہیں۔

''حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک بھی اقتصادی بدحالی اور معاشی اونچ نیچ عوام کی اخلاقی پستی اور بربادی کا سبب بنتے ہیں'' (۵)۔

## ۲۔حق ملکیت سے محرومی:

حق ملکیت سے محرومی امن کی راہ میں بھی رکاوٹ ہے اور یہ فطرۃ معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ معاشی ترقی کا دارومدار شخصی منفعت کا جذبہ ہے، معاشی ترقی جوش عمل ومحنت سے پیدا ہوتی ہے جس کے لئے ۔انسانی فطرت میں محرک اس کی شخصی ملکیت اور شخصی منافع اور فوائد میں اضافہ ہے، انسانی فطرت ہے کہ انسان اگر کسی شے کے لئے یعنی اس کے حصول کے لئے محنت کرتا ہے اور وہ اس کی ملکیت میں آجائے تو پھر ملکیت حاصل ہونے کے بعد اور زیادہ جذبے سے کام کرے گا، اور اپنی اس ملکیت میں اضافہ کرنے کے لئے زیادہ محنت کرے گا لیکن اگر ذرائع معاش بذریعہ محنت کمائی ہوئی دولت پر حکومت یا ریاست یا کسی فرد

کا قبضہ ہو تو وہ فرد تعمیل حکم میں محنت تو کریگا مگر یہ محنت اس رضا کارانہ محنت سے کم ہوگی جو جذبہ اضافہ ملکیت کے تحت ہوا۔ خواہ محنت کرنے والا کے لئے حکومت کی طرف سے یا اس فرد کی طرف سے ضروریات حیات کا انتظام ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ ضروریات حیات کا جذبہ اکتساب دولت اور معاشی جدوجہد کا اصلی محرک نہیں بلکہ اصلی محرک جذبہ ذاتی ملکیت اور پھر اضافہ ذاتی ملکیت ہے۔

''انسان کی ازادی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے اور اس آزادی پر ہی وہ آدمیت کے نشو ونما کی ساری عمارت تعمیر کرتا ہے۔ معاش کے ذرائع دو وسائل میں شخصی ملکیت کا حق اس سے چھین لیا جائے اور تمام وسائل معاش پر اجتماعی ملکیت قائم کردی جائے تو انفرادی آزادی لازماً ختم ہو جاتی ہے کیوں کہ اس کے بعد تو معاشرے کے تمام افراد اس ادارے کے ملازم بن جاتے ہیں جس کے ہاتھ میں پوری ملکیت کے وسائل معاش کنٹرول ہو'' (٦)۔

جس طرح انسان معاشرے میں اپنے کپڑے، برتن، فرنیچر اور دیگر اشیاء پر ملکیت رکھتا ہے اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ وہ زمین، مشین اور کارخانہ رکھنے کا بھی مجاز ہو مگر اس کے پاس اتنے ذرائع نہیں ہیں۔ اگر ذرائع ہیں تو جس قسم کا معاشرے میں نظام بن چکا ہے اس حوالے سے ملکیت کا نظام کافی پیچیدہ بن چکا ہے۔ بعض افراد تو ملکیت رکھتے ہوئے بھی اس پر تصرف کا حق نہیں رکھتے کیوں کی ان کی ملکیت پر قبضہ کسی دوسرے کا ہوتا ہے اور وہ صحیح معنوں میں حق ملکیت سے محروم ہوتے ہیں۔ اس طرح کی ملکیت کے حصول کیلئے معاشرے میں لڑائی، جھگڑے، قتل وغارت، تشدد اور احتجاج عام سی بات بن چکا ہے۔ حق دار کو اس کا حق نہیں ملتا کیوں کہ حقدار بعض اوقات اتنا کمزور ہوتا ہے کہ وہ حق لینا نہیں جانتا کیونکہ کم عمری کی وجہ سے اسے ان باتوں کا ادراک نہیں ہوتا اور جب وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنا حق لے تو اسے حق دیا

نہیں جاتا بلکہ اسے چھیننا پڑتا ہے اس کے لئے بعض تو قانون کا سہارا لے لیتے ہیں مگر بعض افراد قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ جس سے کئی معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ محرومی کا احساس انسان کو بہت زیادہ حساس بنا دیتا ہے اور وہ اپنی اس محرومی کا بدلہ معاشرے سے لیتا ہے، متعلقہ لوگوں سے لیتا ہے جس سے معاشرے میں انتشار پھیل جاتا ہے اور سارا معاشرہ اس انتشار کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

## ۳۔حق وراثت سے محرومی:

حق وراثت سے محروم کر دینا معاشرے میں بہت بڑا فساد کا باعث بنتا ہے۔ وراثت سے مراد وہ مال وجائیداد ہے جو ایک گھر کا سربراہ وفات پانے کے بعد اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ اس پر سب بچوں اور رشتہ داروں کا حق ہوتا ہے۔ اس طرح وہ مال جو ایک شخص کی زندگی میں یکجا ہو کر مرتکز ہو گیا ہوتا ہے وہ اس کے مرنے کے بعد مرتکز نہ ہو بلکہ وہ اس کے قرابت داروں میں پھیل جائے۔ یہ ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے جس میں مرنے والے کے ورثاء اس ملکیت کا حق دار ہوتے ہیں اس میں تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد شامل ہوتی ہے۔ وراثت میں ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بیوی سب حصہ دار ہوتے ہیں اور اگر یہ رشتہ نہ ہوں تو پھر قریبی رشتہ دار چچا وغیرہ ہوتے ہیں۔ اسلام میں عورت کو بھی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا ہے مگر افسوس عورت کو وراثت میں بالکل حصہ نہیں دیا جاتا ہے اور زیادہ محروم اس حق وراثت سے عورت ہی رہتی ہے اور معاشرے کے رائج کردہ قوانین کو دیکھ کر بیٹی کو بجائے وراثت میں حصہ دینے کے اسے جہیز کے نام پر اشیائے ضرورت دے دی جاتی ہیں اور حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور یوں جہیز کے نام پر عورت کو ٹرخا دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے عورت کے دل میں اپنے گھر والوں اور بھائیوں کے لیے مخالفت پیدا ہو جاتی ہے اور عورت دباؤ میں آکر اگر وراثت کا مطالبہ بھی کرتی ہے تو اسے سوائے جھگڑے فساد کے اور کچھ نہیں ملتا اور

یوں مزید لڑائیاں بڑھ جاتی ہیں۔

حق وراثت سے محروم فرد معاشرے میں معاشی ترقی میں بھی اہم کردار ادا نہیں کرتا کیوں کہ بعض افراد اتنی جائیداد اور کاروبار چھوڑ کر مرتے ہیں کہ ان کا وارث خود بخود معاشرے میں ان کے بعد بہت اونچی حیثیت کا مالک بن جاتا ہے اور معاشی ترقی کا اہم موجب بنتا ہے اور اس کی عدم موجودگی سے انسان کا معاشی رتبہ نہیں بڑا نہیں ہوتا اور وہ اسی جگہ پر رہتا ہے جہاں پر وہ تھا یعنی وراثت معاشی ترقی کا سبب بھی بنتی ہے۔ وراثت کے ساتھ وصیت بھی آتی ہے۔ اسلام میں وراثت کے قوانین کے خلاف وصیت کرنا منع ہے اس سے معاشرے میں فساد پھیلتا ہے۔

کسی کا حق غصب کرنا اور یا مرنے والے سے وصیت کا تقاضا کرنا معاشرہ میں لڑائی جھگڑے کا سبب بنتا ہے، وصیت میں بعض اوقات بعض مخصوص لوگوں یا اولاد میں سے مخصوص بچوں کے نام جائیداد کی منتقلی کر دینا اور باقی بچوں کی حق تلفی کرنا پایا جاتا ہے۔ معاشرے میں جائیداد کے حصول اور منتقلی کی خاطر کئی قتل، اغوا اور چوری ڈاکے کے واقعات ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ یتیم بچوں کی حق تلفی ان کی جائیداد پر دوسرے رشتہ داروں کا قابض ہونا معاشرے میں عام بات ہے۔ یہی بچے بالغ ہونے پر اپنی جائیداد کا جب تقاضا کرتے ہیں تو لڑائی جھگڑے بڑھ کر قتل وغارت بن جاتے ہیں۔ حق وراثت سے محرومی کی دوسری صورت اولاد میں سے ایک کو جائیداد کا کل وارث بنا دینا اور دوسرے کو کچھ نہ دینا بھی ہے۔ محروم رہ جانے والا غصے میں اس بات کا بدلہ اپنے بھائی سے لیتا ہے اور اس جھگڑے میں ایک قتل یا دونوں قتل ہو جاتے ہیں یا ایک قتل اور دوسرا ہمیشہ کیلئے جیل کی سلاخوں میں بند ہو جاتا ہے اور نتیجتاً اس کے بچے اور خاندان والے مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں اور معاشرہ کی مشکلات میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

### ۴۔غربت وافلاس:

بدامنی اور غربت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔فقر وفاقہ اور غربت وافلاس ایک مصیبت ہے جوتقریبا تمام برائیوں کی جڑ ہے۔تنگ دستی انسان کے عقیدہ وایمان کو آزمائش مین ڈال دیتی ہے۔

''فقر وفاقہ کے پیدا کردہ انحراف عقیدہ وایمان کے پیش نظر ہی بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ جب فقر وفاقہ کسی علاقے کا رخ کرتے ہیں تو کفر اس سے کہتا ہے کہ مجھے بھی ساتھ لے چل''(۷)۔

غربت انسان کے فکر وفہم ، اخلاق وکردار کو تباہ کردیتی ہے عسرت وتنگ دستی عائلی زندگی کے لیے بھی کئی پہلو سے خطرناک ہے۔پاکستانی معیشت کے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ گزشتہ چار دہائیوں میں حالات وواقعات کی کاری ضرب سفید پوش اور درمیانے طبقے پر پڑی ہے جو غریب ہو گیا ہے۔

''اقتصادی رپورٹ کے مطابق جس میں پاکستان میں موجودہ غربت کا جائزہ لیا گیا، ملک میں گروتھ کی کمی افراط زر میں اضافہ ۔ بے روزگاری، اور 1990ء میں سوشل سروسز میں کمی نے ایسے حالات پیدا کردیئے ہیں کہ غربت کا بم کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔1960ء میں صرف 19 ملین افراد غربت کی سطح سے نیچے زندگی بسر کررہے تھے۔۱۹۸۰ء تک یہ تعداد 34 ملین تک پہنچ گئی 1995-1990ء تک یہ تعداد 42 ملین اور اب یہ تعداد ملک کی کل آبادی کی تیس فیصد تک پہنچ چکی ہے۔رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملک

سے غربت کے خاتمے کے لئے گزشتہ کئی دہائیوں سے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا گیا۔ حیرت یہ ہے گزشتہ پچاس سال میں امیر اور غریب کے درمیان حائل خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ ہر روز معاشی حالات سے تنگ آ کر خودکشی کرنے والے کسی نہ کسی شخص کی خبر اخبار میں چھپتی رہی ہے جب کہ یہ ان افراد کے لئے بھی لمحہ فکر یہ ہے جو دولت میں کھیل رہے ہیں''(۸)۔

غربت کا عفریت اس معاشرے میں نیا نہیں ہے۔ یہ کافی عرصے سے معاشرے کے ساتھ ساتھ چلتا آ رہا ہے۔ اس کی رفتار وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ غربت کی وجہ سے لوگ اس قابل نہیں کہ وہ مناسب تعلیم، مہارت اور ٹریننگ خود حاصل کر سکیں یا اپنے بچوں کو دلوا سکیں۔

''آئی ایم ایف کے مطابق پاکستان میں غربت کی وجہ سے 22% گھریلو افراد کو ناکافی خوراک ملتی ہے۔ 46% بچے جن کی عمریں پانچ سے کم ہیں۔ ایسی بیماریوں میں مبتلا ہیں جو غیر متوازن غذا سے پیدا ہوتی ہیں۔ غریب گھریلو افراد کی آمدنیاں اوسطاً 75 ڈالر سالانہ ہیں۔ ایسے خاندان کا تناسب کوئی 62% کے قریب ہے۔ دیہاتوں میں شدید نوعیت کی غربت پائی جاتی ہے۔ 30% آبادی انتہائی غربت میں زندگی گزار رہی ہے۔ ایسے تاثرات ورلڈ بینک رپورٹ 1994ء سے ملتے ہیں''(۹)۔

غربت سے پیدا ہونے والے اثرات انسان کی نفسیاتی صحت پر اثر انداز ہو کر اس کے مزاج میں تنگ دلی، چڑچڑاپن اور غم و غصہ پیدا کر دیتے ہیں جو اس کی قوت کار کو کم کر کے

اسے معاشی طور پر کمزور کر دیتے ہیں۔

"کسی غریب اور تنگ دست کو اس کی بدحالی اور محرومی بعض دینی معاملات میں غیر شریفانہ اور اخلاق سے گرا ہوا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اور پیٹ کی مار آدمی کے ضمیر کو سلا دیتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ "معدے کی آواز ضمیر کی آواز سے زیادہ طاقتور ہے" (۱۰)۔

غربت انسان کو کہیں چوری کرنے پر مجبور کرتی ہے، کہیں اہل وعیال کے لیے جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ کہیں دغابازی اور خیانت ہوتی ہے۔ غربت انسان کو فسق وفجور کا مرتکب اور بداعمالیوں کا منبع اور مصدر بنا دیتا ہے۔ غربت وافلاس اور ناداری ومحرومی اور اقتصادی بے بسی اور بے چارگی معاشرے میں امن کے لئے نہایت خطرناک ہے کیوں کہ غربت انسانی کرامت وشرف کو برباد بلکہ خطرہ ایمان واخلاق اور امن عامہ ہے۔

### ۵۔ حرص وہوس:

افراط زر کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدامنی کی لہر نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے افراط زر کی وجہ سے مخصوص طبقے نے سارے ملک کی معیشت کو ایک نئے رخ پر چلا لیا ہے، مخصوص لوگوں کا مخصوص طبقہ جن کی ملکیت میں اہم وسائل یا خوراک کی اشیاء ہوتی ہیں، وہ ان میں رد بدل کر کے ان میں بے ایمانی اور بددیانتی کر کے اتنی دولت کما لیتے ہیں کہ وہ ان سے سنبھالنی مشکل ہو جاتی ہے۔ جب ہر طرف دولت کی ریل پیل ہو گی تو انسان کس طرح سے اپنے آپ کو سنبھال سکے گا کہ وہ ناجائز اسراف نہ کرے۔ اس وجہ سے ملک میں دولت کی تقسیم میں بھی سخت ناہمواری پیدا ہوتی ہے۔ افراط زر ایک ایسا رویہ ہے جو کسی ماحول اور حدود کا پابند نہیں جب کہ ہمارا معاشرہ چند حدود وقیود کا پابند ہے۔ افراط زر کا رجحان نہ صرف عقلی ارتقاء

کی راہ میں رکاوٹ ہے بلکہ شریف، کمزور اور نرم خو شخص کو اندر سے تباہ کر دیتا ہے اور معاشرے میں اس کے نقصانات لاتعداد ہیں۔ اس کی وجہ سے ضروریات زندگی کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ عوام قوت خرید نہ ہونے کے باعث ضروریات کی خرید سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ لہذا وہ غربت و افلاس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک قلیل طبقہ اس وجہ سے خوشحال ہوتا ہے لیکن عوام کی حالت قابل رحم ہوتی ہے۔ اقتصادی حالت ناہموار ہو جاتی ہے کیوں کہ چند ایک کے پاس دولت کے ڈھیر لگ جاتے ہیں اور لاکھوں کروڑوں انسان معمولی ضروریات زندگی کو ترستے ہیں۔ افراط زر بہت سی برائیوں کا مجموعہ ہے کیوں کہ جب انسان کے آگے کھلا پیسہ ہو تو وہ اس سے جو چاہے کر سکتا ہے۔ نتیجتاً وہ ہمیشہ ایسے راستے کا انتخاب کرتا ہے جو اسراف پر مبنی ہوتا ہے۔ عیش پرستی کا روگ اسے لگ جاتا ہے اور وہ اندرونی طور پر تباہ برباد ہو جاتا ہے اور پھر اسے عمومی مفاد کا خصوصاً دوسرے لوگوں کے مفاد کا خیال نہیں رہتا۔

افراط زر کی کیفیات حرص و ہوس کو جنم دیتی ہیں کیوں کہ مالدار زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی غرض میں لگا رہتا ہے جب دولت کسی کے پاس آجائے تو پھر وہ اس فکر میں لگ جاتا ہے کہ مزید کس طرح سے حاصل کی جائے۔ اس طرح مالدار شخص اپنے مال کے زور سے کم مالدار لوگوں کے وسائل بھی کھینچ لیتا ہے تاکہ جتنی بھی آمدنی ہو اسے مزید نفع آور کاموں میں لگا کر جائز و ناجائز ہر طریقے سے مزید مال حاصل کر سکے اور منافع کو جمع کرتا جائے۔ اس طرح اسباب معاش روز بروز کم اور محدود حصہ آبادی کے پاس سمٹتے چلے جاتے ہیں۔ اصلی ضروریات سے زائد جو وسائل معیشت اگر کسی انسان کے قبضہ میں آگئے تو وہ اپنی حرص و ہوس کی تسکین کے لئے ان کو جمع کرتا جائے گا اور اس طرح انسان معاشی حیوان بن جاتا ہے اور اس کے نتائج نہایت ہی ہولناک نکلتے ہیں کہ ان کا صحیح تخمینہ لگانا بھی مشکل ہے۔

ارشاد ربانی ہے :

**﴿ویل لکل همزة لمزة الذی جمع مالا وعدده یحسب ان ماله**

**اخلده کلا لینبذن فی الحطمة﴾ (۱۱)۔**

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور طعنہ دینے والا ہو۔ جو (غایت حرص و حب سے) مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو۔ وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔ ہر گز نہیں وہ شخص آگ میں ڈالا جائے گا۔

انسان طبعاً لالچی اور دنیا کا حریص ہے۔ وہ دنیاوی مال ومتاع سے کبھی سیر نہیں ہوتا، حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ اگر ابن آدم کو سونے کی دو وادیاں بھی مل جائیں تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا، اور اگر تیسری بھی مل جائے تو پھر اگلی کی خواہش کرے گا اور یہ حرص وہوس کا سلسلہ اس کے زیر خاک جانے سے ہی ختم ہوگا اور پھر اس دولت پر غرور و تکبر کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور انسان زمین پر اکڑ اکڑ کر چلنا شروع کر دیتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں نہ جاوے گا وہ شخص جس کے دل میں رتی برابر غرور ہو'' (۱۲)۔

اسی طرح دولت کی مزید ہوس کے متعلق حدیث نبوی ﷺ ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عنقریب تم لوگ امارت پر حرص کرو گے اور قیامت میں ندامت ہوگی'' (۱۳)۔

یہ ایک ایسی خواہش نفسانی ہے کہ اس میں دوسروں کا احساس تک نہیں ہوتا حالانکہ اگر زیادہ دولت مل جائے تو چاہیئے کہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرے۔ انھیں بھی اس دولت میں سے کچھ حصہ دے مگر غریب فاقوں سے مر رہے ہوتے ہیں۔ یتیم کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہوتے ہیں اور بیوائیں مصیبت کا شکار ہوتی ہیں مگر حرص وہوس کا مارا ہوا انسان یہی چاہتا ہے کہ اس کے پاس زیادہ دولت جمع ہو جائے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ولا تحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم ﴾(۱۴)۔

ترجمہ: اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالی نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت بری ہے۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

**﴿والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم ﴾(۱۵)۔**

ترجمہ: اور (غایت حرص سے) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ﷺ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

یہ حرص وہوس کی انسانی فطرت انسانی عقل کو، اس کے سکون کو اور اسی طرح کی زندگی کے تحفظ اور امن وامان کو غارت کر دیتی ہے۔ یہ فطرت انسان میں خود غرضی کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے جس میں انسان کا اپنا مفاد ہی اسے نظر آتا ہے اور ہمیشہ اپنی غرض کے لیے سوچتا ہے اور کام کرتا ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''نفسانفسی کا معاملہ ہوتا ہے ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنا پیٹ بھرے اپنی خواہشات کو پورا کرے خواہ ہمسایہ فاقوں کے مارے مرتا جائے''(۱۶)

اس کیفیت کے بعد لازمی بات ہے کہ معاشرے میں جو صورت حال پیدا ہوگی وہ یقیناً امن کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہوگی۔

## ۶۔حلال وحرام کی تمیز نہ رکھنا:

کسب معاش میں حلال وحرام کی تمیز نہ رکھنا امن کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی مترادف ہے۔حلال وحرام کا تصور صرف چند امور تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ انسان کی انفرادی اوراجتماعی زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہےاور یہ محض عارضی نہیں بلکہ مستقل اوردائمی ہے۔

''انسان دنیا کی محبت میں پڑ کر برے بھلے کی تمیز مٹادیتاہےاورحرام وحلال کا فرق مٹادیتاہے۔دنیاداری نبھانے کے لیے ہی اسے مال ودولت ودیگر ضروریات زندگی سے سابقہ پڑتاہے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنے آپ کوامیر کبیر ثابت کرنے کے لئے انسان رزق حلال کی راہ سے ہٹ کر کسب حرام کی طرف چلتاہےاورایسا چلا جاتاہے کہ اسے واپسی کی راہ نہیں سجھائی دیتی ہے۔جب حرام مال بدستوراس کے پیٹ میں پڑتارہتاہےتواس کے دل میں سیاہی اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔دنیا کی محبت غالب آجاتی ہے اوراحکام خداوندی کو وہ پس پشت ڈال کر صرف مال وزر بنانے کی طرف راغب ہوجاتاہےاور یہیں سے وہ رزق حرام کے اتھاہ اندھیروں میں گم ہوجاتاہے جہاں سےواپسی کی کوئی راہ اسے نظر نہیں آتی''(۱۷)۔

حلال وحرام کے فرق کومٹا کر دولت کمانے کے لئے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے اوراس کے لئے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کا اثر ان پر کیا پڑرہاہے۔بعض دفعہ انسان دولت کمانا چاہتاہے مگر وہ محنت نہیں کرنا چاہتاہے اور یہی وجہ ہے کہ کسب معاش میں وہ حلال وحرام کے فرق کومٹاڈالتاہے۔

ارشادربانی ہے:

﴿یاایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا﴾ (۱۸)۔

ترجمہ: اے لوگو! اس میں جو زمین میں ہے حلال اور طیب کھاؤ۔

مگر انسان ایک دم سے امیر اور دولت مند بننے کے چکر میں حلال اور حرام اور ناپاک میں فرق بھول جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے کاروبار ایجاد ہو گئے ہیں جن کی بدولت انسان جلد امیر بن جاتا ہے مگر یہ حرام کاروبار ہیں۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

> ''راتوں رات امیر بننے کی خواہش نے ایسے کاروبار پیدا کر دیئے ہیں جن کی بدولت لوگ محنت سے کتراتے ہیں اور تھوڑی دولت والے اس قسم کے کاروبار کے ذریعے سے بے انتہا دولت کے مالک بننا چاہتے ہیں'' (۱۹)

صرف دولت، پیدائش دولت میں حرام کی کئی صورتیں ہیں حرام اور ممنوعہ اشیاء کی تیاری اور خرید و فروخت، رشوت، خیانت، دھوکہ، فریب، جھوٹ، چوری، سود، عصمت فروشی۔ بت فروشی، اشاعت فواحش، ظلم و جبر، غرور و تکبر، توہم پرستانہ دھندے، اجارہ دارانہ استحصال، احتکار، غبن، نمود و نمائش، شراب، سامان لہو و لعب وغیرہ۔

> ''وہ جو انسان کے سفلی جذبات کو ابھاریں کچھ ایسے کام ہیں جن پر معاوضہ تو لیا جائے مگر وہ معاوضہ نہ سمجھا جائے مثلاً تعویذات وغیرہ کا کاروبار جن کا بیچنے والا بچوں اور جاہل لوگوں کو دھوکہ سے یہ کہتا ہے کہ یہ تعویذات مختلف امراض کا مداوا ہیں۔ یہ فال نکالنے والے ۔۔۔'' (۲۰)۔

''ایک وہ طبقہ ہے جو خواب دیکھتا ہے محلوں کی اور محنت اتنی بھی نہیں کرتا کہ بھونس کی جھونپڑی تیار کر سکے۔ کام سے جان چراتا ہے اور خواہش یہ رکھتا ہے کہ دولت اس کے گھر کی لونڈی ہو۔ وہ جس طرح چاہے داد عیش دے۔ اس کی آمدنی کے جائز ذرائع اس کی خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتے تو وہ ناجائز ذرائع سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کی جیبوں پر ہاتھ مارتا ہے۔ شریف اور محنت کش شہریوں کے گھروں میں نقب لگا کر ان کی گاڑھی کمائی کا اثاثہ اڑا لیتا ہے۔ جسارت کرتا ہے تو ہم جنسوں کی ٹولی بنا کر ڈاکے ڈالتا ہے'' (۲۱)۔

''جب کسی چیز کی محبت اور فکر جدا ہو جاتی ہے تو اس کو حاصل کرنے کے واسطے ہر جائز و ناجائز طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لہذا جس کو مال و دولت کی محبت اور فکر پیدا ہو جاوے تو وہ ظلم سے غصب سے رشوت سے دھوکہ سے خیانت سے سود اور قمار سے جوا سے ہر طرح سے کوشش کرے گا کہ شیء محبوب کو حاصل کرے۔ آج کل بازاروں دکانوں میں دفتروں میں یہی ہو رہا ہے جہاں جاوے رشوت چوری ظلم خیانت دھوکہ وغیرہ کا بازار گرم ہے'' (۲۲)۔

# حواشی وحوالہ جات


۱۔ باقر الصدر محمد سید علامہ ''اقتصادنا''
مترجم علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کرراروی ''ہمارے اقتصادیات'' ص ۱۰، مکتبہ تعمیر ادب لاہور ۱۹۷۱۔

۲۔ لسٹ فریدرش ''معاشیات قومی'' ص ۲۹۱

۳۔ گیلانی اسعد سید ''اسلامی طرز حیات'' ص ۱۴۸، فیروز سنز لمیٹیڈ لاہور ۱۹۸۹

۴۔ مودودی ابوالاعلی سید ''معاشیات اسلام'' ص ۴۵۔۴۴ اسلامک پبلیشرز لیمٹیڈ لاہور ۱۹۸۸۔

۵۔ لودھیانوی احمد بشیر شیخ ''ارتفاقات معاشیہ'' ص ۱۷۹، ادارہ الحکمۃ الاسلامیہ لاہور۔

۶۔ مودودی ''معاشیات اسلام'' ص ۱۴۹۔

۷۔ القرضاوی یوسف، ڈاکٹر ''اسلام اور معاشی تحفظ'' ص ۱۶۔
مترجم عبدالحمید صدیقی البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۰۔

۸۔ جعفری، ایس، بی، اے ''پریس ریویو'' روزنامہ کائنات اسلام آباد ۲ اگست ۱۹۹۹۔

۹۔ شاہ حمید، اے، ''معاشی منصوبہ بندی'' ص ۵۶۰ علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۸۔

۱۰۔ قادری، رسول طاہر ''اسلام کا نظام کفالت'' ص ۱۸، البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۰۔

۱۱۔ سورۃ الھمزہ آیت ۱۔۴

۱۲۔ مسلم بن الحجاج، امام م ''صحیح مسلم'' جلد اول کتاب الایمان ص ۱۲۴۔
مترجمہ علامہ وحید الزمان خان، حذیفہ اکیڈمی لاہور ۲۰۰۱۔

۱۳۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، ابوعبداللہ ''تجرید البخاری'' جلد دوم کتاب الاحکام ص ۷۶۰۔
مترجم: علامہ حسین بن مبارک زبیدی، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۱۔

۱۴۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۸۰۔

۱۵۔ سورۃ التوبۃ آیت ۳۴۔

۱۶۔ سندھی عبیداللہ مولانا ''شعور و آگہی'' ص ۳۵ مرتب سید مطلوب علی زیدی، مکی، دار الکتب لاہور ۱۹۹۵۔

۱۷۔ دانش فاروق محمد۔ مضمون ''رزق حلال کی اہمیت'' روزنامہ جنگ لاہور ص ۵، ۲۶ جولائی ۲۰۰۲۔

۱۸۔۱ سورہ البقرہ آیت ۱۶۸۔

۱۹۔ شاہ ولی اللہ قطب الدین ''حجۃ اللہ البالغۃ'' جلد دوم ص ۳۱۷۔
مترجم: مولانا عبدالرحیم قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۱۔

۲۰۔ القرضاوی، یوسف، ڈاکٹر ''اسلام اور معاشی تحفظ'' ص ۵۰۔۴۹۔

۲۱۔ میاں محمد، سید مولانا 'دور حاضر کے سیاسی اور اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات واشارات'' ص ۶۷، مکتبہ قاسمیہ لاہور ۱۹۸۳۔

۲۲۔ چاٹگامی عبدالسلام محمد مفتی ''اسلامی معیشت کے بنیادی اصول'' ص ۱۱۷، اسلامی کتب خانہ کراچی۔